Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
E-Mail:muloomi@iub.edu.pk ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
Vol.No: 33, Issue:01. (Jan-Jun 2026) Date of Publication: 27-03-2026
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

جنگ میں انسانیت کا تحفظ: بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی کامیابیاں، تحدیات اور مستقبل

Protection of Humanity in War: Achievements, Challenges and Future of International Humanitarian Law

Dr. Ziaullah Rahmani
Regional Advisor for Islamic Law and Jurisprudence, ICRC, Pakistan.
rziaullah@icrc.org
Dr. Muhammad Rafeeq Shinwari
Assistant Professor, Department of Shariah and Law, Shifa Tameer-e-Millat University, Islamabad. rafeeq.dsl@stmu.edu.pk

Abstract:
International Humanitarian Law (IHL) seeks to alleviate human suffering during armed conflicts by protecting persons who are not, or are no longer, participating in hostilities and by regulating the means and methods of warfare. However, persistent violations in contemporary conflicts have led to a perception that IHL has become ineffective. This paper critically examines that perception through a doctrinal legal methodology, drawing on the Geneva Conventions, their Additional Protocols, customary international law, international jurisprudence, reports of the International Committee of the Red Cross (ICRC), and relevant scholarly literature. It analyses the achievements, contemporary challenges, and future prospects of IHL, arguing that its effectiveness should not be assessed solely by the occurrence of violations. Rather, it's often-overlooked successes are reflected in the protection of civilians, humane treatment of detainees, preservation of humanitarian space, and the establishment of legal standards for accountability. The paper concludes that the principal challenge facing IHL is not the inadequacy of its legal framework but the lack of compliance, effective enforcement, and sustained political commitment to its implementation.

Keywords: International Humanitarian Law, Geneva Conventions, Armed Conflict, Compliance, Enforcement, Political Will

ا۔ تعارف

جنگ انسانی تاریخ کا ایک ایسا تلخ مگر مسلسل حقیقت پر مبنی مظہر ہے جو تہذیبوں کے ارتقاء، ریاستوں کی تشکیل اور بین الاقوامی تعلقات کے مختلف ادوار میں ہمیشہ کسی نہ کسی صورت موجود رہا ہے۔ اگرچہ زمانے کے ساتھ جنگ کے اسباب، نوعیت، ہتھیاروں اور طریقۂ کار میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں، لیکن ایک حقیقت کبھی تبدیل نہیں ہوئی کہ ہر جنگ کا سب سے بڑا بوجھ بالآخر انسان ہی اٹھاتا ہے۔ جانوں کا ضیاع، شہری آبادی کی تباہی، بنیادی ڈھانچے کی بربادی، خاندانوں کی جدائی، جبری نقل مکانی اور انسانی وقار کی پامالی وہ نتائج ہیں جو تقریباً ہر مسلح تنازع کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ یہی وہ تاریخی تجربات تھے جنہوں نے انسان کو اس امر پر آمادہ کیا کہ جنگ کو مکمل طور پر ختم کرنا اگر ممکن نہیں تو کم از کم اس کے اثرات کو محدود کرنے اور اس میں بھی انسانیت کے لیے کچھ بنیادی حدود و قیود مقرر کرنے کی کوشش ضرور کی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ کو اخلاقی اور انسانی اصولوں کا پابند بنانے کی کوشش جدید دور کی پیداوار نہیں۔ قدیم تہذیبوں، آسمانی مذاہب اور مختلف ثقافتوں میں ایسے متعدد اصول موجود رہے ہیں جو غیر مقاتل افراد کے تحفظ، زخمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، غیر ضروری تباہی سے اجتناب اور دشمن کے ساتھ بھی انسانی برتاؤ کی تلقین کرتے ہیں۔ تاہم ان اصولوں کو ایک جامع، منظم اور عالمگیر قانونی نظام کی شکل انیسویں اور بیسویں

صدی میں تدریجاً حاصل ہوئی، جس کا نقطۂ عروج ۱۹۴۹ء کے جنیوا کنونشنز اور ان کے اضافی پروٹوکولز کی صورت میں سامنے آیا۔ آج یہی نظام بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے نام سے پہچانا جاتا ہے، جس کا بنیادی مقصد مسلح تنازعات کے دوران انسانی جان، انسانی وقار اور بنیادی انسانی اقدار کا تحفظ یقینی بنانا ہے۔ گزشتہ سات دہائیوں کے دوران بین الاقوامی قانونِ انسانیت نے بین الاقوامی قانون کے سب سے زیادہ قبول کیے جانے والے شعبوں میں غیر معمولی مقام حاصل کیا ہے۔ ۱۹۴۹ء کے چاروں جنیوا کنونشنز کو دنیا کی تقریباً تمام ریاستوں نے قبول کیا ہے، جبکہ ان کے بنیادی اصول اب بڑی حد تک بین الاقوامی عرفی قانون (Customary International Law) کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی عرصے میں اس قانون کی بنیاد پر جنگی قیدیوں کے حقوق کے تحفظ، زخمیوں اور بیماروں کی نگہداشت، طبی عملے اور ہسپتالوں کے احترام، خاندانوں کی بحالی، بچوں کے تحفظ، انسانی امداد کی فراہمی، بارودی سرنگوں اور بعض دیگر غیر انسانی ہتھیاروں کی ممانعت، اور جنگی جرائم کے احتساب جیسے شعبوں میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ متعدد ریاستوں، بین الاقوامی اداروں اور بعض غیر ریاستی مسلح گروہوں نے بھی مختلف صورتوں میں ان اصولوں کی پاسداری کے لیے اقدامات کیے ہیں۔ اس اعتبار سے بین الاقوامی قانونِ انسانیت صرف ایک نظری قانونی نظام نہیں بلکہ عملی میدان میں انسانی مصائب کو کم کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ثابت ہوا ہے۔

اس موضوع پر موجود علمی مباحث میں بنیادی اختلاف اس بات پر نہیں کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی ضرورت ہے، بلکہ اس بات پر ہے کہ آیا موجودہ قانونی نظام معاصر مسلح تنازعات میں مؤثر ثابت ہو رہا ہے یا نہیں۔ بعض اہلِ علم اس کی کامیابیوں کو نمایاں کرتے ہیں، جبکہ دیگر اسے نفاذ کے بحران سے دوچار قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود موجودہ عالمی منظر نامہ ایک نہایت پیچیدہ اور تشویشناک تصویر پیش کرتا ہے۔ غزہ، سوڈان، یوکرین، میانمار اور دنیا کے دیگر کئی خطوں میں جاری مسلح تنازعات نے ایک بار پھر یہ سوال اٹھا دیا ہے کہ کیا بین الاقوامی قانونِ انسانیت اپنی موجودہ قانونی ساخت کے باوجود معاصر مسلح تنازعات میں مؤثر ثابت ہو رہا ہے، اور اگر نہیں تو اس کی بنیادی رکاوٹیں کیا ہیں؟ شہری آبادی، ہسپتال، تعلیمی ادارے اور انسانی امدادی کارکن کیوں مسلسل حملوں کی زد میں آ رہے ہیں؟ جنگی قیدیوں، خواتین، بچوں اور دیگر کمزور طبقات کے تحفظ سے متعلق قواعد کے باوجود انسانی مصائب میں اضافہ کیوں دیکھنے میں آ رہا ہے؟ کیا موجودہ قانون ناکافی ہے، یا اصل مسئلہ اس پر عمل درآمد کا ہے؟ کیا قانونی قواعد کی مزید تدوین درکار ہے، یا اس سے بڑھ کر سیاسی عزم، مؤثر نفاذ اور اجتماعی ذمہ داری کی ضرورت ہے؟ یہ سوالات آج بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے علمی اور عملی مباحث کے لیے اساسی حیثیت کے حامل سوالات ہیں۔ آئی سی آر سی، اقوام متحدہ اور متعدد ممتاز اہلِ علم اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ موجودہ دور کا بنیادی چیلنج نئے قواعد وضع کرنا نہیں بلکہ موجودہ قواعد کے احترام اور مؤثر نفاذ کو یقینی بنانا ہے۔ اس تناظر میں ۲۰۲۴ء میں "Global Initiative to Galvanize Political Commitment to International Humanitarian Law" کا آغاز بھی اسی احساس کا مظہر ہے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی حقیقی مؤثریت کا انحصار صرف قانونی نصوص پر نہیں بلکہ ریاستوں، غیر ریاستی مسلح گروہوں، بین الاقوامی تنظیموں، مذہبی قیادت، سول سوسائٹی اور عالمی رائے عامہ کے اجتماعی عزم پر ہے۔

یہ مقالہ اسی وسیع تر تناظر میں بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا جائزہ لیتا ہے۔ اس کا مقصد صرف اس قانون کے بنیادی اصولوں کا تعارف پیش کرنا نہیں بلکہ اس کے عملی اثرات، نمایاں کامیابیوں، موجودہ چیلنجز اور مستقبل کے امکانات کا تنقیدی جائزہ لینا بھی ہے۔ مقالہ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ کیا بین الاقوامی قانونِ انسانیت اپنے بنیادی مقصد، یعنی جنگ کے دوران انسانیت کے تحفظ، میں کامیاب رہا ہے؟ اگر ہاں، تو اس کی کامیابیوں کی نمایاں مثالیں کیا ہیں، اور اگر نہیں، تو اس کی راہ میں حائل بنیادی رکاوٹیں کون سی ہیں؟ مزید بر آں، یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ حالات میں اس قانون کے احترام اور مؤثر نفاذ کو مضبوط بنانے کے لیے کن عملی اقدامات کی ضرورت ہے، اور اس ضمن میں سیاسی قیادت، مذہبی رہنماؤں، تعلیمی اداروں، انسانی تنظیموں اور دیگر متعلقہ فریقین کا کیا کردار ہو سکتا ہے۔ اس مقالے کا بنیادی اس مقالے کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا موجودہ بحران بنیادی طور پر قانونی قواعد کے فقدان کا نہیں بلکہ ان قواعد کے احترام، مؤثر نفاذ اور سیاسی عزم کی کمزوری کا بحران ہے۔ اگرچہ موجودہ مسلح تنازعات اس قانون کو سخت آزمائش میں ڈال رہے ہیں، لیکن اس کا

حل اس قانون سے دستبرداری نہیں بلکہ اس کے احترام، نفاذ اور سیاسی و اخلاقی حمایت کو مزید مضبوط بنانا ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جسے یہ مقالہ تاریخی تجربات، قانونی تجزیے اور عملی مثالوں کی روشنی میں اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۲۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت اور معاصر تحدیات سے نمٹنے میں اس کی معنویت

بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی تعریف اور اس کے بنیادی مقاصد کو سمجھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قانون کی عملی اہمیت کیا ہے۔ کیا یہ محض نظریاتی اصولوں کا مجموعہ ہے، یا اس نے عملی میدان میں بھی انسانی جانوں اور انسانی وقار کے تحفظ میں کوئی مؤثر کردار ادا کیا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ضروری ہے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے ان عملی اثرات کا جائزہ لیا جائے جنہوں نے گزشتہ سات دہائیوں کے دوران مسلح تنازعات کے دوران انسانی مصائب کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت (International Humanitarian Law – IHL) دراصل بین الاقوامی قانون کی وہ شاخ ہے جو مسلح تصادم کے دوران جنگی کارروائیوں کو منظم کرتی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد انسانی بنیادوں پر اُن افراد کا تحفظ کرنا ہے جو لڑائی میں حصہ نہیں لے رہے، یا کسی وجہ سے اب لڑائی میں حصہ لینے کے قابل یا مجاز نہیں رہے، نیز یہ کہ جنگ اور تشدد سے پیدا ہونے والی تکالیف کو محدود سے محدود تر کرنے کے لیے کچھ پابندیاں عائد کی جائیں۔[1] یہی اصول بعد میں اس مقالے میں زیر بحث آنے والی کامیابیوں اور چیلنجز کے تجزیے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ازل سے ہی جنگ کے طریقۂ کار کو منضبط کرنے کے لیے کچھ اخلاقی اقدار موجود رہی ہیں۔ تاریخی مصادر کا گہرا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمام تہذیبوں، مذاہب اور ثقافتوں نے اپنے پیروکاروں کو ایسے اصولوں کی پابندی کی تلقین کی ہے جو جنگ کے عمل میں انسانیت کا عنصر شامل کرتے ہیں۔[2] معاصر بین الاقوامی قانونِ انسانیت، جو ۱۹۴۹ء کے چار جنیوا کنونشنز، ان کے ۱۹۷۷ء اور ۲۰۰۵ء کے تین اضافی پروٹوکولز، اور جنگ کے ذرائع و طریقوں کو منظم کرنے والے دیگر متعلقہ بین الاقوامی معاہدات کی صورت میں موجود ہے، درحقیقت مختلف مذاہب اور تہذیبوں کی اجتماعی دانش کا نچوڑ ہے۔[3] یہ ایک عالمگیر ضابطہ ہے جس پر دنیا کی ریاستوں نے اتفاق کیا، اور جن کے نمائندگان مختلف بڑے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ بالخصوص بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی اساس یعنی ۱۹۴۹ء کے چار جنیوا کنونشنز چھ ماہ پر مشتمل سفارتی مذاکرات کے بعد مرتب اور منظور کیے گئے، جن میں مختلف کمیٹیوں نے معاہدات کے متن پر کام کیا اور مسلم سفارت کاروں نے ان مباحث میں فعال کردار ادا کیا۔ ان کنونشنز پر دنیا کی ۱۹۶ ریاستوں نے دستخط کیے ہیں، جن میں اقوامِ متحدہ کے تمام ۱۹۳ رکن ممالک بھی شامل ہیں۔ جنگ کو منظم کرنے والے بین الاقوامی معاہدات کی ضرورت کا احساس عالمی برادری کو اس وقت شدت سے ہوا جب مختلف جنگوں، بالخصوص پہلی اور دوسری عالمی جنگ، میں برسرِپیکار ریاستوں کی جانب سے ایک دوسرے پر ڈھائی گئی بے مثال تباہی سامنے آئی۔[4] بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے کئی مختلف پہلو ہیں، جو میدانِ جنگ میں زخمی اور جاں بحق ہونے والے فوجیوں کے حقوق سے لے کر جنگی قیدیوں اور مسلح تصادم سے متاثر ہونے والی شہری آبادی کے حقوق تک کا احاطہ کرتے ہیں۔ دیگر قوانین کی طرح، اس قانون کی پابندی اور اس کا نفاذ بھی متعدد وجوہات کی بنا پر کبھی مثالی نہیں رہا؛ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ بالکل غیر مؤثر ہو چکا ہے۔ اس کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جن سے عملاً فائدہ اٹھایا گیا ہے اور جنہوں نے مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔[5]

تصادم خونریز ہوتا ہے، یہ زندگیوں کو برباد کر دیتا ہے اور ہمیشہ ناقابلِ بیان دکھ اور تباہی کو جنم دیتا ہے۔ لیکن انسانیت کے کم از کم معیارات کا احترام ممکن بلکہ لازم ہوتا ہے۔ یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کے پیشِ نظر بین الاقوامی قانونِ انسانیت وضع کیا گیا؛ تاکہ ان کم از کم معیارات کو متعین کیا جا سکے، جنگ کو مزید سفاک ہونے سے روکا جا سکے، اور امن کی طرف واپسی کو نسبتاً آسان بنایا جا سکے۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت ایک بنیادی اصول پر قائم ہے کہ مسلح تصادم کے دوران تمام افراد کے ساتھ انسانیت کے تقاضوں کے مطابق سلوک کیا جانا چاہیے، خواہ وہ آپ کے اپنے ہوں یا دشمن کے۔ انسانی وقار کے فطری احترام کا یہ تصور نہایت قدیم ہے۔ یہ ایک مشترک قدر ہے جو نہ صرف بین الاقوامی قانونِ انسانیت میں پیوست ہے بلکہ مقامی اور مذہبی روایات اور رسوم میں بھی اپنی جڑیں رکھتی ہے۔ یہ دنیا بھر کی برادریوں کے احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہم سب کی مشترکہ

ذمہ داری ہے کہ ہم مل کر اس امر کو یقینی بنائیں کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت، جو ہماری مشترکہ انسانی میراث ہے، کا احترام کیا جائے۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے احترام کا مطلب یہ ہے کہ:

- شہری آبادی کو ہرگز نشانہ نہ بنایا جائے اور اسے جنگی کارروائیوں کے اثرات سے محفوظ رکھا جائے؛[6]
- اندھادھند حملے ممنوع ہیں؛[7]
- اسی طرح وہ ہتھیار بھی ممنوع ہیں جو غیر ضروری اذیت کا سبب بنتے ہیں؛[8]
- زیرِ حراست افراد کے ساتھ کبھی بدسلوکی نہ کی جائے اور ان کے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ کیا جائے؛[9]
- ہسپتالوں کا ہر حال میں احترام اور تحفظ کیا جائے؛[10]
- طبی عملے اور ایمبولینسوں کا احترام کیا جائے؛[11]
- جنگ میں شامل تمام فریق پر لازم ہے کہ وہ زخمیوں اور بیماروں کو جمع کریں، ان کی دیکھ بھال کریں،[12] اور مرنے والوں کا احترام کریں، خواہ وہ اپنے ہوں یا مخالف کے؛[13]
- خاندانوں اور ان کے افراد، اگر ایک دوسرے سے لاپتہ ہو گئے ہوں تو ان، کو جلد از جلد دوبارہ ملانے کی کوشش کی جائے؛[14]
- تمام افراد کو جنسی تشدد محفوظ رکھا جائے؛[15]
- تمام افراد کو جبری نقل مکانی اور بدسلوکی سے محفوظ رکھا جائے؛[16]
- آبادی کی بنیادی ضروریات پوری کی جائیں، بشمول انسانی امداد کی فراہمی کے ذریعے؛[17]
- بچوں کو خاص طور پر تحفظ اور نگہداشت فراہم کی جائے۔[18]

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن پر سب متفق ہیں۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت ہم سب کا تحفظ کرتا ہے اور ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ یہی ہماری مشترکہ انسانیت (common humanity) کا تقاضا ہے۔ جب بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا احترام کیا جاتا ہے تو جانیں محفوظ رہتی ہیں اور انسانی وقار کی ایک حد تک حفاظت ممکن ہوتی ہے۔ تاہم، اس قانون کی پاسداری اکثر ان وعدوں اور عہد وپیمان سے کم رہتی ہے جو کنونشنز اور ریاستوں نے کیے ہیں۔ اس لیے اس کی تعمیل کو بہتر بنانے کے لیے مزید اقدامات ناگزیر ہیں۔ انجام کار، اس قانون کا احترام دراصل سیاسی عزم کا مسئلہ ہے۔[19] بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی اہمیت کا حقیقی اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے عملی نتائج کا جائزہ لیا جائے۔ اگرچہ اس قانون کی خلاف ورزیاں اکثر عالمی ذرائع ابلاغ کی توجہ حاصل کرتی ہیں، لیکن اس کے مثبت اثرات نسبتاً کم نمایاں ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ روزانہ بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں جہاں اسی قانون کی بدولت انسانی جانیں محفوظ رہتی ہیں، شہری آبادی کو تحفظ حاصل ہوتا ہے اور جنگ کے باوجود انسانیت کے بنیادی تقاضے برقرار رہتے ہیں۔ ان کامیابیوں کا جائزہ اس قانون کی حقیقی افادیت کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہے۔

۳۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی عملی افادیت

آئی سی آر سی کے عملے کے افراد روزانہ کی بنیاد پر بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے حفاظتی اثرات کے عینی شاہد ہوتے ہیں۔ ہماری اپنی عملی صلاحیت، مثلاً قیدیوں سے ملاقات کرنا، میتوں کی وطن واپسی کو ممکن بنانا، تنازعات کے دوران طبی سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنانا، محاذ کے دونوں جانب آزادانہ نقل و حرکت کے ذریعے ضرورت مندوں تک رسائی حاصل کرنا، اور مبینہ خلاف ورزیوں کو دستاویزی شکل دے کر متعلقہ فریقین کے ساتھ ان پر بات چیت کرنا، یہ سب اسی قانون پر مبنی ہے اور درحقیقت اس کے عملی اظہار کی صورتیں ہیں۔ آیئے چند مثالوں پر نظر ڈالتے ہیں جہاں بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے احترام نے متاثرہ افراد کے لیے حقیقی فرق پیدا کیا:

حراستی مراکز میں قیدیوں کو اپنے خاندان سے خط وکتابت اور، جہاں حالات اجازت دیں، ملاقات کی سہولت فراہم کرنا بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے عملی نفاذ کی ایک اہم مثال ہے۔ انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس کے حراستی مراکز کے دوروں اور متعلقہ حکام کے ساتھ اس کے خفیہ

(confidential) انسانی مکالمے کے نتیجے میں متعدد مواقع پر قیدیوں کے ساتھ برتاؤ، حراستی حالات اور خاندانی روابط میں بہتری آئی ہے۔[20]
متعدد ریاستیں اور غیر ریاستی مسلح گروہ شہری علاقوں میں لڑائی کے دوران شہریوں کو پہنچنے والے نقصان کو کم کرنے کے لیے اقدامات کر رہے ہیں۔ بعض فریقین نے شہریوں کو پیشگی خبردار کیا، جیسا کہ قانون کا تقاضا ہوتا ہے؛ بعض نے شہریوں کا انخلا کروایا یا اپنے مخالفین کے ساتھ ایسے معاہدے کیے جن کے تحت محفوظ انخلا ممکن ہوا؛ جبکہ کچھ ریاستوں نے اپنی فوجی پالیسیوں اور عملی طریقہ کار میں گنجان آباد علاقوں میں وسیع اثرات رکھنے والے دھماکہ خیز ہتھیاروں (Explosive Weapons with Wide Area Effects) کے استعمال کو محدود کرنے یا اس سے گریز کرنے کے لیے رہنما اصول اختیار کیے ہیں۔[21]
بین الاقوامی قانونِ انسانیت اور بچوں کے حقوق سے متعلق بین الاقوامی معیارات کے اثرات کے نتیجے میں متعدد ریاستوں اور غیر ریاستی مسلح گروہوں نے بچوں کی بھرتی اور انہیں مسلح کارروائیوں میں استعمال کرنے سے اجتناب کیا ہے۔ مزید برآں، بعض ممالک، مثلاً ڈیموکریٹک ریپبلک آف کانگو، کولمبیا اور فلپائن میں سرگرم بعض غیر ریاستی مسلح گروہوں نے اقوام متحدہ کے ساتھ طے شدہ ایکشن پلانز یا امن عمل کے تحت بچوں کو اپنی صفوں سے علیحدہ کیا، ان کی رہائی عمل میں لائی، یا آئندہ بچوں کی بھرتی نہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔[22] متعدد ریاستوں نے جنگی جرائم کے مرتکبین کو قانون کے کٹہرے میں لایا ہے، جن میں بوسنیا و ہرزیگووینا، کولمبیا، کروشیا، ڈنمارک، جرمنی، پیرو، روانڈا اور سوئٹزرلینڈ شامل ہیں۔ یہ اقدام خلاف ورزیوں کے متاثرین کے لیے انصاف کے حصول کی جانب ایک اہم پیش رفت ہے۔ اینٹی پرسنل بارودی سرنگوں کی ممانعت کا معاہدہ (اوٹاوا معاہدہ) Anti-Personnel Mine Ban Convention تاریخ کے کامیاب ترین اسلحہ جاتی معاہدات میں سے ایک ہے۔ اس نے شہریوں کو نقصان سے بچانے، انسانی امداد کی رسائی کو ممکن بنانے اور متاثرہ علاقوں کو محفوظ بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں قابلِ کاشت زرعی زمین دوبارہ حاصل کی گئی ہے اور پناہ گزینوں و بے گھر افراد کو اپنے گھروں کو لوٹ کر اپنی زندگیوں اور معاش کو دوبارہ تعمیر کرنے کا موقع ملا ہے۔ دنیا کے ۸۰ فیصد سے زائد ممالک اس معاہدے کے فریق ہیں۔ اینٹی پرسنل بارودی سرنگوں کی قانونی تجارت تقریباً ختم ہو چکی ہے اور ۵۵ ملین سے زائد ذخیرہ شدہ بارودی سرنگیں تباہ کی جا چکی ہیں۔ ۳۱ ریاستوں نے اپنے علاقوں کو مکمل طور پر بارودی سرنگوں سے پاک قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر چلی اور برطانیہ نے ۲۰۲۰ء میں اپنے علاقوں کی صفائی مکمل کرنے کا اعلان کیا۔ اسی سال افغانستان، عراق اور یمن نے جاری تنازعات کے باوجود بارودی سرنگوں کی صفائی کا عمل جاری رکھا۔ بعض غیر ریاستی مسلح گروہوں، جیسے مورو اسلامک لبریشن فرنٹ نے بھی فلپائن میں ان بارودی سرنگوں پر مکمل پابندی کا عہد کیا ہے۔ مجموعی طور پر، ۱۹۹۹ء میں اس معاہدے کے نفاذ کے بعد سے شہری ہلاکتوں میں تقریباً ۹۰ فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔[23]
مسلح تنازعات کے فریقین نے آئی سی آر سی کی معاونت سے قیدیوں کے تبادلے کے عمل کے دوران اپنے زیرِ حراست افراد کو رہا کرنے پر اتفاق کیا ہے، جس کی مثالیں افغانستان، بوسنیا و ہرزیگووینا، ایتھوپیا، اریٹیریا اور یمن میں ملتی ہیں۔ کئی مواقع پر قیدیوں کو اس وقت بھی رہا کیا جاتا ہے جب ان کی حراست کی وجوہات ختم ہو جاتی ہیں۔ حالیہ مثالوں میں اسرائیل اور حماس کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ بھی آئی سی آر سی کے تعاون سے عمل پذیر ہوا۔ مسلح تنازعات کے فریقین اکثر لاپتہ افراد کی تلاش، ہلاک شدگان کی شناخت اور ان کی میتیں ان کے اہلِ خانہ کے حوالے کرنے کے لیے اقدامات کرتے ہیں۔ اس کی مثالیں کولمبیا، فاک لینڈ جزائر (مالویناس) اور پیرو میں دیکھی جا سکتی ہیں۔
ان مثالوں کے علاوہ جنھیں ہم بیان کر سکتے ہیں اور جن کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے، ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی پاسداری کی اکثر مثالیں نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ ہم عموماً انہیں معمول سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں اور توجہ زیادہ تر خلاف ورزیوں پر مرکوز رکھتے ہیں، جیسا کہ کرنا بھی چاہیے۔ تاہم، یہ صورتِ حال ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی اور نہ ہی ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔ جب کیمیائی (chemical) یا حیاتیاتی (biological) ہتھیار استعمال نہیں کیے جاتے، یا جب بارودی سرنگیں استعمال سے گریز کیا جاتا ہے، تو یہ بھی اسی قانون کے احترام کی علامت ہے۔ جب کسی شہری پر گولی نہیں چلائی جاتی، جب شہری ہلاکتوں سے بچنے کے لیے حملہ منسوخ کر دیا جاتا ہے، جب

کسی قیدی کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی جاتی، اور جب خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جاتا، تو یہ سب اسی قانون کی پاسداری کی مثالیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی بہت سی کامیابیاں خاموش ہوتی ہیں۔

تاہم اس کے باوجود، بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا احترام ان وعدوں سے کہیں کم ہے جو عالمی برادری نے جنیوا کنونشنز کے تحت کیے تھے۔ اس قانون کے اصولوں، حتیٰ کہ بنیادی ترین اصولوں، کی خلاف ورزیاں باقاعدگی سے ہوتی رہتی ہیں۔ متحارب فریق اکثر یہ کوشش کرتے ہیں کہ بعض طبقات کو اس قانون کے فراہم کردہ انسانی تحفظ سے خارج کر دیا جائے، اور جنگی جرائم کا ارتکاب ایک ایسے ماحول میں جاری رہتا ہے جہاں احتساب کا شدید فقدان پایا جاتا ہے۔ آج بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو درپیش متعدد چیلنجز میں سب سے سنگین مسئلہ اس کی عدم تعمیل ہے۔ ریاستوں اور مسلح تنازعات کے فریقین کو چاہیے کہ وہ اس قانون کے احترام کے لیے اپنی کوششوں میں نمایاں اضافہ کریں اور ایک عالمی سطح پر قانون کے احترام کی ثقافت کو فروغ دینے کے لیے مضبوط سیاسی عزم کا مظاہرہ کریں۔ تاہم، ان کامیابیوں کا اعتراف کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو اپنے مقاصد کے حصول میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی۔ موجودہ مسلح تنازعات نے ایک بار پھر یہ حقیقت آشکار کی ہے کہ جہاں ایک طرف اس قانون نے انسانی مصائب کو کم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، وہیں دوسری طرف اس کی سنگین خلاف ورزیاں بھی مسلسل سامنے آ رہی ہیں۔ اس لیے اس قانون کا متوازن تجزیہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ درپیش چیلنجز کا بھی غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے۔

۴۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت اور غیر ریاستی مسلح تنظیمیں

کسی مسلح گروہ کے ساتھ مؤثر رابطہ اور تعامل قائم کرنا ایک پیچیدہ عمل ہے جس میں متعدد اہم رکاوٹیں درپیش ہوتی ہیں۔ تاہم، مسلح تنازعات سے متاثرہ علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی تکالیف کو کم کرنے اور ان کی روک تھام کے لیے اپنے انسانی ہمدردی کے مینڈیٹ کو پورا کرنے کی خاطر، آئی سی آر سی کے لیے ایسے گروہوں کے ساتھ رابطہ رکھنا ناگزیر ہے۔ سنہ ۲۰۲۵ میں مسلح گروہوں کے ساتھ آئی سی آر سی کے روابط کی سطح میں گزشتہ برسوں کے مقابلے میں معمولی بہتری آئی۔ اب آئی سی آر سی انسانی ہمدردی کے حوالے سے تشویش کا باعث بننے والے ۶۴ فیصد مسلح گروہوں (۲۴۵ گروہوں) کے ساتھ رابطے میں ہے، جب کہ ۲۰۲۴ میں یہ شرح تقریباً ۶۰ فیصد تھی۔ آئی سی آر سی ۶۰ فیصد مسلح گروہوں (۲۲۹ گروہوں) کے ساتھ عملی نوعیت کا مکالمہ جاری رکھے ہوئے ہے، جس کا مقصد متاثرہ علاقوں تک رسائی اور سلامتی کی ضمانتوں سے متعلق امور پر بات چیت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ، آئی سی آر سی ۲۹ فیصد مسلح گروہوں (۱۱۱ گروہوں) کے ساتھ آگاہی اور تربیتی نشستیں بھی منعقد کرتا ہے۔ نیز آئی سی آر سی ۲۸ فیصد مسلح گروہوں (۱۰۶ گروہوں) کے سامنے تحفظ سے متعلق مخصوص خدشات اٹھاتا ہے، تاکہ مسلح تنازعات اور دیگر پر تشدد حالات سے متاثرہ افراد کے تحفظ کو یقینی بنایا جا سکے اور ان گروہوں کو، حسبِ اطلاق، بین الاقوامی انسانی قانون اور دیگر متعلقہ اصولوں و معیارات کی پابندی کی طرف راغب کیا جا سکے۔[24]

آج کے بیشتر تنازعات میں غیر ریاستی مسلح گروہ شامل ہیں۔ ان گروہوں کی جانب سے بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا احترام یکساں نہیں ہے۔ اگرچہ خلاف ورزیاں سرخیوں میں آتی ہیں، تاہم بہت سے مسلح گروہ ایسے بھی ہیں جو خفیہ طور پر آئی سی آر سی سے رابطہ کرتے ہیں تاکہ یہ سیکھ سکیں کہ وہ اپنے قانونی فرائض کو کس طرح پورا کریں، اور آئی سی آر سی کے عملے کو اپنے زیرِ کنٹرول علاقوں میں شہری آبادی تک رسائی بھی فراہم کرتے ہیں۔[25] اس کے باوجود، دورانِ جنگ بعض مسلح گروہوں نے ایسے اقدامات بھی کیے ہیں جن کا مقصد ان افراد کا تحفظ کرنا تھا جو لڑائی میں شریک نہیں ہوتے،[26] مثلاً:

- شہری آبادی کی موجودگی کے بارے میں بہتر آگاہی حاصل کرنے کے لیے معلومات اکٹھی کرنا، مثلاً آن لائن سیٹلائٹ تصاویر اور ڈرونز کا استعمال، تاکہ حملوں کے مقام، وقت اور سمت میں ایسی تبدیلی کی جا سکے جس سے شہری ہلاکتوں میں کمی آئے۔

- حملوں سے قبل شہری آبادی کو مختلف طریقوں سے پیشگی تنبیہ کرنا، جن میں بالمشافہ زبانی اطلاع، ٹیلیفون کے ذریعے آگاہی، سوشل میڈیا پر اعلانات یا پمفلٹس کی تقسیم شامل ہیں۔
- زیادہ درست نشانہ لگانے کے لیے جدید اور زیادہ درست اسلحہ اور ماہر نشانہ بازوں (snipers) کا استعمال کرنا۔
- زخمی شہریوں کو طبی امداد فراہم کرنا۔
- طبی عملے اور طبی مراکز کا احترام کرنا اور انہیں تحفظ دینا، چاہے ان کا تعلق کسی بھی فریق سے ہو۔
- زخمی دشمن کو بھی طبی سہولت فراہم کرنا۔
- بغیر پھٹے یا غیر فعال دھماکہ خیز آلات کو صاف کرنے اور ہٹانے کے لیے اقدامات کرنا۔
- اپنی پوزیشنز کو شہری املاک سے دور رکھنا اور ایسے علاقوں تک شہریوں کی رسائی کو محدود کرنا۔
- گنجان آباد علاقوں میں اس وقت دھماکہ خیز ہتھیاروں کے استعمال سے گریز کرنا جب شہری ہلاکتوں کا خطرہ بہت زیادہ ہو۔
- اگر ہدف کے علاقے میں معذور افراد موجود ہوں تو حملے سے اجتناب کرنا، یا کم از کم فوجی کارروائی کو اس وقت تک مؤخر کرنا جب تک ان افراد کو محفوظ مقام پر منتقل نہ کر لیا جائے۔
- معذور شہریوں کو نسبتاً محفوظ مقامات، مثلاً ہسپتالوں، میں منتقل کرنا۔

آئی سی آر سی کو اس بات پر منفرد بصیرت حاصل ہے کہ مسلح گروہ قیدیوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرتے ہیں۔[27] آئی سی آر سی کے نمائندگان مشاہدہ کرتے ہیں کہ بہت سے گروہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت پر عمل درآمد کے لیے مختلف عملی اقدامات کرتے ہیں اور بعض اوقات اس ضمن میں ہم سے رہنمائی بھی طلب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، مسلح گروہوں نے:

- قیدیوں کو مناسب خوراک اور پانی، صفائی ستھرائی کا سامان، نکاسی و حفظانِ صحت کی سہولیات، لباس، طبی امداد اور رہائش فراہم کی ہے۔
- تشدد اور بدسلوکی کی دیگر اقسام کی ممانعت کے لیے واضح قواعد وضع کیے ہیں، اپنے جنگجوؤں کو ان قواعد کے مطابق قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کی تربیت دی ہے، اور خلاف ورزیوں پر سزا بھی دی ہے۔
- قیدیوں کو اپنے اہلِ خانہ سے رابطہ کرنے کی اجازت دی ہے۔
- قیدیوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔
- آئی سی آر سی کو قیدیوں سے ملاقات، ان کا اندراج کرنے اور ان سے علیحدہ طور پر بات چیت کرنے کی اجازت دی ہے۔
- اپنے ارکان کو ہدایت دی ہے کہ خواتین، بچوں اور دیگر کمزور قیدیوں کی حفاظت اور ضروریات کا خاص خیال رکھا جائے، اور ان افراد کو رہا کیا جائے جو خصوصی خطرے سے دوچار ہوں۔
- ایسے قیدیوں کو رہا کیا ہے جو اب سیکیورٹی کے لیے خطرہ نہیں رہے یا جنہیں انسانی بنیادوں پر رہا کرنا مناسب سمجھا گیا۔

بہت سے ایسے مواقع پر جہاں مسلح گروہوں کی جانب سے بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی پاسداری نہیں کی گئی، ان کی تعمیل کو بہتر بنانے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے گئے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- انہوں نے اپنے داخلی قواعد وضوابط کو اپ ڈیٹ اور نظر ثانی کیا ہے تاکہ زیرِ حراست افراد کے خلاف اراکین کی جانب سے ہونے والی بدسلوکی اور غیر مناسب طرزِ عمل کا مؤثر طور پر تدارک کیا جا سکے۔
- اگر کسی حراستی مرکز کے انچارج کمانڈر کے بارے میں بار بار بدسلوکی کی رپورٹس موصول ہوں تو اس کی تبدیلی عمل میں لائی گئی ہے۔
- ایسے افراد کے خلاف تادیبی کارروائی اور سزائیں نافذ کی گئی ہیں جو زیرِ حراست افراد کے ساتھ انسانی سلوک اختیار نہیں کرتے۔

اسی طرح متعدد مسلح گروہوں نے اس امر کو یقینی بنانے کے لیے بھی اقدامات کیے ہیں کہ ان کے اراکین بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے قواعد کو سمجھیں اور ان کی پاسداری کریں،[28] جن میں درج ذیل شامل ہیں:

- نئے بھرتی ہونے والے افراد کو اسی گروہ کے نظریاتی اصول وضوابط فراہم کرنا جن میں آئی ایچ ایل کے قواعد شامل ہوتے ہیں، ان کی تربیت کرنا، اور ان کے علم کا باقاعدہ امتحان لینا۔
- ایک عوامی اعلامیے کے ذریعے اس ارادے کا اظہار کرنا کہ مسلح گروہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت اور دیگر متعلقہ اصولوں کی پابندی کرے گا۔
- بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی پاسداری سے متعلق عوامی سطح پر تحریری عہد و معاہدے پر دستخط کرنا۔

اس حقیقت کے باوجود کہ معاصر مسلح تنازعات میں بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی سنگین خلاف ورزیاں نظر انداز نہیں کی جاسکتی، دنیا اس وقت ایک نازک موڑ سے گزر رہی ہے؛ ایک ایسا لمحہ جب ہماری مشترکہ انسانیت ایک طرف آزمائش سے دوچار ہے اور دوسری طرف اس کی پہلے سے زیادہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں، غزہ سے سوڈان، میانمار سے یوکرین تک، مسلح تنازعات لاکھوں انسانوں کی زندگیوں پر گہرے زخم چھوڑ رہے ہیں۔ نیز یہ تاثر بڑھتا جارہا ہے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی خلاف ورزیاں نہ صرف تعداد میں پہلے سے کہیں زیادہ ہیں بلکہ اپنی شدت کے اعتبار سے بھی زیادہ سنگین ہو چکی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم جنگوں کے موجودہ طرزِ عمل کو تبدیل نہ کرسکے تو ہم تاریخی نوعیت کے ایک بڑے خطرے سے دوچار ہوسکتے ہیں۔ بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کی زمینی مشاہدات کے مطابق، اکثر وہ وسیع انسانی ضروریات جن کے لیے فوری امداد درکار ہوتی ہے، دراصل اس صورت حال میں پیدا ہی نہ ہوتیں اگر حقیقی سیاسی عزم موجود ہوتا۔

۵۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا نفاذ اور گلوبل آئی ایچ ایل کا قیام

جب یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اصل مسئلہ قانون کی کمی نہیں بلکہ اس کے احترام اور نفاذ کا ہے، تو لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال میں بہتری کیسے لائی جاسکتی ہے۔ اسی احساس کے تحت حالیہ برسوں میں متعدد بین الاقوامی اقدامات سامنے آئے ہیں جن کا مقصد ریاستوں اور دیگر متعلقہ فریقوں میں بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے احترام کے لیے نئے سیاسی عزم کو فروغ دینا ہے۔ ان میں سب سے نمایاں اقدام "Global Initiative to Galvanize Political Commitment to International Humanitarian Law" ہے۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت مجرد قانونی تصورات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اُن لاکھوں لوگوں کے لیے، جو جنگ کی آگ اور متحارب فریقوں کی گولہ باری کے درمیان پھنسے ہوئے ہیں، زندگی اور موت، اور عزت و وقار اور مایوسی و بے بسی کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم، اگرچہ جنیوا کنونشنز کی حمایت میں عالمی سطح پر اتفاقِ رائے موجود ہے، پھر بھی آج کے جنگی میدانوں میں بنیادی ترین انسانی ہمدردی کے اصولوں کی پابندی تشویشناک حد تک ناکافی ہے۔ موجودہ مسلح تنازعات نہایت ہولناک اور تباہ کن انداز میں اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ بین الاقوامی انسانی قانون کو مؤثر اور حقیقی تحفظ فراہم کرنے کے لیے کس قدر سنگین چیلنجز کا سامنا ہے۔ اسی پس منظر میں ۲۷ ستمبر ۲۰۲۴ کو بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی نے برازیل، چین، فرانس، اردن، قازقستان اور جنوبی افریقہ کے ساتھ مل کر بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے لیے سیاسی عزم کو متحرک کرنے کی غرض سے ایک عالمی اقدام (Global Initiative) کا آغاز کیا۔[29] یہ عالمی اقدام ایک غیر معمولی کوشش ہے کیونکہ موجودہ حالات اسی نوعیت کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ محض آج کے بحرانوں کا ردعمل نہیں بلکہ ایک پیشگی اور منظم کوشش ہے تاکہ ایک ایسے مستقبل کو یقینی بنایا جاسکے جہاں جنگ کے بنیادی قواعد کی مکمل پاسداری اور ان کا احترام برقرار رکھا جائے۔ اس عالمی اقدام (Global IHL Initiative) کا مقصد دنیا بھر کے ریاستی رہنماؤں کو متحرک کرنا ہے تاکہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو ایک سیاسی ترجیح کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی مسلح تنازعات پر گفتگو ہو، خواہ وہ بین الاقوامی، علاقائی یا ملکی سطح کے فورمز ہوں، بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو اس بحث اور فیصلے کے بنیادی فریم ورک کا حصہ بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ، اس قانون کے لیے عالمی سیاسی حمایت کو از سر نو فعال بنانے کے ساتھ ساتھ ایک زیادہ تکنیکی سطح پر بھی کام

جاری ہے، جس کے تحت ایسے ٹھوس اور قابلِ عمل سفارشات کی نشاندہی کی جارہی ہے جنہیں مسلح تنازعات کے فریقین اور عمومی طور پر تمام ریاستیں اختیار کر کے بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی پاسداری کو مضبوط بنا سکیں۔ یہ سفارشات سات موضوعاتی ورک اسٹریمز (work streams) کے تحت ہونے والی مشاورتوں کے ذریعے تیار کی جائیں گی۔ تمام ریاستوں کو ان ورک اسٹریمز میں شمولیت کی دعوت دی جائے گی، اورآئی سی آر سی بھرپور طور پر اس عالمی کوشش میں تمام ریاستوں کی شرکت اور شمولیت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

یہ اقدام ۲۰۲۶ کے اختتام کی جانب ایک تاریخی عالمی کانفرنس پر منتج ہو گا، جو "جنگ میں انسانیت" (Humanity in War) کے موضوع پر منعقد کی جائے گی۔ جہاں تک بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی تعمیل کو مضبوط بنانے میں مذہبی رہنماؤں کے کردار کا تعلق ہے، تو یہ کہنا مناسب ہو گا کہ مذہبی رہنما اثر و رسوخ رکھنے والے اہم فریق ہیں۔ مذہبی روایات نے تاریخی طور پر اکثر معاشروں کی اخلاقی اور سماجی بنیادوں کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کیا ہے، اور آج دنیا کے پانچ بڑے مذاہب کے پیروکار مجموعی طور پر عالمی آبادی کے تقریباً تین چوتھائی حصے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مسلح تنازعات سے متاثرہ متعدد علاقوں میں مذہبی رہنما آج بھی سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور بااثر شخصیات میں شمار ہوتے ہیں، جو نہ صرف عوامی رائے کو تشکیل دیتے ہیں بلکہ ریاستی اور غیر ریاستی فریقین کو مشورہ دیتے ہیں اور تشدد، تحمل اور مفاہمت جیسے امور کے لیے اخلاقی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا مؤثر نفاذ صرف قانونی اداروں کی ذمہ داری نہیں۔ "جنگ میں انسانیت" (Humanity in War) کا تصور مختلف مذہبی روایات میں ایک مشترکہ فکری و اخلاقی تشویش کے طور پر پایا جاتا ہے۔ مذہبی اصول اکثر قانونی تقاضوں کی تکمیل اور ان کی تقویت میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کی مذہبی حلقوں کے ساتھ طویل عرصے پر محیط شراکت اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ جنگ کے دوران انسانیت کے تحفظ کی ضرورت مختلف مذہبی روایات میں متعدد صورتوں میں موجود ہے۔ جنگ کے ذرائع اور طریقوں کو محدود رکھنے کے حوالے سے اخلاقی اور عملی رہنمائی قدیم اور جدید دونوں طرح کی مذہبی تعلیمات میں مختلف انداز سے موجود ہے۔ مزید برآں، مذہبی ادارے مسلح تنازعات سے متاثرہ برادریوں کو انسانی امداد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی اور نفسیاتی سہارا دینے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ غیر مقاتل افراد کا تحفظ، تناسب (proportionality) ، تحمل (restraint) ، اور زخمیوں کے ساتھ انسانی سلوک جیسے اصول مختلف مذہبی روایات میں مختلف صورتوں میں تسلیم شدہ ہیں۔

۶۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت: ناکامی کا تاثر یا کامیابی کی خاموش حقیقت؟

آج عام تاثر یہ ہے کہ یہ قانون ناکام ہو چکا ہے، کیونکہ ہم روزانہ غزہ، شام، یوکرین اور دیگر خطوں میں اس کی کھلی خلاف ورزیاں دیکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ تاثر درست ہے یا حقیقت اس سے مختلف ہے؟ تاہم حقیقت اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ ذیل میں ہم چند بنیادی سوالات کا جائزہ لیں گے جس سے اس تاثر کی اصل وجوہات سامنے آئیں گی۔

اس ضمن میں پہلا سوال یہ ہے کہ میڈیا ہمیں زیادہ تر خلاف ورزیاں کیوں دکھاتا ہے؟ میڈیا کی بنیادی نوعیت ہی یہ ہے کہ وہ غیر معمولی، ڈرامائی اور تباہ کن واقعات کو نمایاں کرتا ہے۔ صحافت میں ایک معروف اصول ہے کہ "اگر خون بہتا ہے تو خبر بنتی ہے" (if it bleeds, it leads)۔ اس بنا پر ایک بمباری، اسپتال پر حملہ یا شہریوں کی ہلاکت فوراً سرخیوں کا حصہ بن جاتی ہے، جبکہ جنگی قیدیوں کے ساتھ درست سلوک یا کسی محفوظ راہداری کے ذریعے شہریوں کے انخلا کو خبر کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے علاوہ خلاف ورزیاں بصری اور جذباتی طور پر زیادہ اثر انگیز ہوتی ہیں۔ ایک تباہ شدہ عمارت کی تصویر ناظرین کی توجہ فوراً کھینچ لیتی ہے، جبکہ قانون کی پاسداری ایک "خاموش" عمل ہے جس کی کوئی نمایاں تصویر نہیں بنتی۔ نتیجتاً عوام کے ذہن میں یہ تصور راسخ ہو جاتا ہے کہ آئی ایچ ایل محض ایک بے اثر دستاویز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میڈیا کا کام قانون کی مجموعی کارکردگی کا جائزہ لینا نہیں بلکہ نمایاں واقعات کی رپورٹنگ ہے۔[30]

دوسرا سوال یہ ہے کہ آئی ایچ ایل کی کامیابیاں نسبتاً "خاموش" کیوں رہتی ہیں؟ اس کی چند بنیادی وجہ یہ ہے کہ آئی ایچ ایل کی سب سے بڑی

کامیابیاں دراصل وہ واقعات ہیں جو نہیں ہوتے۔ جب کوئی فوجی کمانڈر کسی شہری علاقے پر حملہ کرنے سے گریز کرتا ہے، جب زخمی دشمن سپاہی کو طبی امداد دی جاتی ہے، یا جب ریڈ کراس کی مداخلت سے قیدیوں کا تبادلہ ہوتا ہے، جب ایک بمباری میں شہریوں کو نشانہ نہیں بنایا جاتا، جب قیدیوں کو تشدد نہیں کیا جاتا، جب جنگ بندی کے بعد خواتین پر اجتماعی جنسی تشدد نہیں ہوتا، تو یہ سب "نا ہونے والے" واقعات ہیں جو کسی سرخی کا حصہ نہیں بنتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آئی سی آر سی ہر سال لاکھوں قیدیوں کا دورہ کرتی ہے، خاندانوں کو دوبارہ ملاتی ہے اور طبی امداد فراہم کرتی ہے،[31] ان میں سے بیشتر سرگرمیاں خاموشی سے انجام پاتی ہیں، کیونکہ آئی سی آر سی غیر جانبداری اور رازداری کے اصول پر کام کرتی ہے۔ اسی طرح کئی ریاستیں اپنی فوجوں کو آئی ایچ ایل کی تربیت دیتی ہیں، جس کی وجہ سے میدانِ جنگ میں بے شمار جانیں بچ جاتی ہیں؛ مگر یہ روک تھام ناقابلِ پیمائش اور غیر مرئی رہتی ہے۔ خاموشی دراصل کامیابی کی علامت ہے، ناکامی کی نہیں۔[32] تیسری بات یہ ہے کہ آئی سی آر سی کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں لاکھوں قیدیوں کو بین الاقوامی نگرانی کے تحت مناسب طبی اور انسانی علاج ملا ہے۔ آئی سی آر سی کے سابق صدر پیٹر ماؤرر (Peter Maurer) نے اپنی تقریروں میں بارہا اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ بہت سے خاموش معاہدے، جن میں شہریوں کا تحفظ اور قیدیوں کے حقوق شامل ہیں، جنگ کے دوران عمل میں لائے جاتے ہیں۔ تو یہ سب وہ مواقع ہیں جہاں آئی ایچ ایل کی پاسداری کی جاتی ہیں، اگرچہ رپورٹ نہیں کی جاتی۔[33]

تیسرا سوال اس ضمن میں یہ ہے کہ کسی قانون کی کامیابی کو ناپنے کا درست معیار کیا ہے؟ کسی قانون کی کامیابی کو صرف اس کی خلاف ورزیوں کی تعداد سے ناپنا ایک بنیادی غلطی ہے۔ اگر ہم اس معیار کو اپنائیں تو دنیا کا ہر قانون ناکام قرار پائے گا۔ مثال کے طور پر قتل ہر ملک میں غیر قانونی ہے، مگر قتل روزانہ ہوتے ہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قتل کے خلاف قانون ناکام ہے؟ ہرگز نہیں۔ قانون کی موجودگی خود ایک معیار قائم کرتی ہے جس کی بنیاد پر ہم عمل کو "جرم" قرار دے سکتے ہیں اور مجرم کا احتساب کر سکتے ہیں۔ قانون کی کامیابی کو ناپنے کے کئی معیار ہیں:

- ایک رویے پر اثر :(Behavioural Influence) کیا قانون فریقوں کے طرزِ عمل کو محدود یا معتدل کرتا ہے؟
- دوسرا احتساب کا نظام :(Accountability) کیا خلاف ورزی کرنے والوں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جا سکتا ہے؟ بین الاقوامی فوجداری عدالت کا قیام اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ تیسرا طریقہ معیار کی موجودگی :(Existence of a Norm) کیا قانون ایک اخلاقی و قانونی معیار فراہم کرتا ہے جس کے ذریعے صحیح اور غلط میں تمیز کی جا سکے؟ پروفیسر لوئس ہنکن کا مشہور قول ہے کہ "تقریباً تمام ریاستیں تقریباً تمام بین الاقوامی قوانین کی، تقریباً ہمیشہ پاسداری کرتی ہیں۔" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلاف ورزیاں استثنا ہیں، اصول نہیں۔[34]
- ایک طریقہ قانون کی کامیابی کا اندازہ لگانے کے لیے "counterfactual analysis" کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ سوچنا چاہیے کہ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟

ایک اہم سوال یہ بھی ہے کیا کسی قانون کی خلاف ورزیاں خود اس قانون کی ناکامی ثابت کرتی ہیں؟ خلاف ورزی اور ناکامی دو مختلف چیزیں ہیں۔ کسی قانون کی خلاف ورزی دراصل اس بات کی دلیل ہے کہ ایک اصول موجود ہے جس کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اگر آئی ایچ ایل موجود ہی نہ ہوتا تو جنگی جرائم کا کوئی تصور ہی نہ ہوتا اور نہ ہی نیورمبرگ ٹرائلز، سابق یوگوسلاویہ کی عدالت (ICTY) یا روانڈا کی عدالت (ICTR) جیسے احتسابی ادارے قائم ہوتے۔ مزید یہ کہ قانون کی موجودگی متاثرین کو ایک زبان اور جواز فراہم کرتی ہے تاکہ وہ انصاف کا مطالبہ کر سکیں۔ جب ہم کسی حملے کو "جنگی جرم" کہتے ہیں تو ہم دراصل آئی ایچ ایل ہی کی اصطلاحات استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔ یعنی خلاف ورزی کرنے والا بھی جانتا ہے کہ اس نے قانون توڑا ہے، اور یہی قانون کی طاقت ہے۔ اگر خلاف ورزیوں کو ناکامی کی دلیل مان لیا جائے تو یہ منطق ہمیں ہر قانونی نظام کو ختم کرنے کی طرف لے جائے گی۔ درحقیقت خلاف ورزیاں قانون کی ناکامی نہیں بلکہ اس کے نفاذ (enforcement) کی کمزوری کو ظاہر کرتی ہیں۔ مسئلہ قانون میں نہیں بلکہ اس کے عملدرآمد کے نظام اور سیاسی ارادے (political will) میں ہے۔

۷۔ اختتامیہ

بین الاقوامی قانونِ انسانیت انسانی تہذیب کی ان اہم قانونی اور اخلاقی کاوشوں میں سے ایک ہے جس کا بنیادی مقصد جنگ کے اثرات کو محدود کرتے ہوئے انسانی جان، وقار اور بنیادی اقدار کا تحفظ یقینی بنانا ہے۔ اگرچہ معاصر مسلح تنازعات میں اس قانون کی سنگین خلاف ورزیاں مسلسل سامنے آرہی ہیں، تاہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ اس مقالے کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ اس قانون کی کامیابی کا معیار صرف خلاف ورزیوں کی تعداد نہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ اس نے جنگ کے دوران ریاستوں، مسلح گروہوں اور دیگر متعلقہ فریقوں کے طرزِ عمل کو کس حد تک منظم کیا، شہریوں، زخمیوں، جنگی قیدیوں اور دیگر محفوظ افراد کے تحفظ کے لیے قانونی بنیاد فراہم کی، اور احتساب کے لیے ایک واضح بین الاقوامی معیار قائم کیا۔ اس کی بہت سی کامیابیاں خاموش رہتی ہیں اور اسی لیے عمومی توجہ حاصل نہیں کرتیں، حالانکہ یہی کامیابیاں اس قانون کی عملی افادیت کا سب سے مضبوط ثبوت ہیں۔

اس تحقیق کا بنیادی نتیجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو درپیش اصل بحران قواعد کی کمی کا نہیں بلکہ ان کے احترام، مؤثر نفاذ اور سیاسی عزم کی کمزوری کا ہے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں ترجیح موجودہ قواعد پر مؤثر عمل درآمد کو یقینی بنانے کی ہونی چاہیے۔ اسی تناظر میں بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کی Global Initiative to Galvanize Political Commitment to International Humanitarian Law اس حقیقت کی عکاس ہے کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کا مستقبل ریاستوں، بین الاقوامی تنظیموں، غیر ریاستی مسلح گروہوں اور معاشروں کے مشترکہ عزم سے وابستہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ریاستیں بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو اپنے قومی قوانین، عسکری نظریات اور تربیتی نظام کا مؤثر حصہ بنائیں، سنگین خلاف ورزیوں کے احتساب کو یقینی بنائیں، اور بین الاقوامی تعاون کو مضبوط کریں۔ اسی طرح غیر ریاستی مسلح گروہوں کے ساتھ انسانی بنیادوں پر مکالمے اور آگاہی کے اقدامات کو فروغ دیا جائے، جبکہ جامعات، تحقیقی ادارے، ذرائع ابلاغ، مذہبی رہنما اور سول سوسائٹی بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی تعلیم، تحقیق اور عوامی شعور کی ترویج میں فعال کردار ادا کریں۔

بالآخر، بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی حقیقی اہمیت اس میں نہیں کہ وہ ہر خلاف ورزی کو روک دے، بلکہ اس میں ہے کہ وہ جنگ کے دوران بھی انسانیت کے لیے ایک مشترکہ قانونی اور اخلاقی معیار برقرار رکھتا ہے۔ یہی معیار جنگی جرائم کی نشاندہی، متاثرین کے حقوق کے تحفظ اور احتساب کے عمل کو ممکن بناتا ہے۔ اس لیے موجودہ عالمی حالات میں ضرورت اس امر کی نہیں کہ اس قانون کی افادیت پر سوال اٹھایا جائے، بلکہ اس کے احترام، نفاذ اور سیاسی و اخلاقی حمایت کو مزید مضبوط بنایا جائے، کیونکہ جنگ کی ہولناکی کے درمیان انسانیت کی بقا کا انحصار بڑی حد تک انہی اصولوں کی مؤثر پاسداری پر ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] یہ تصور ۱۹۴۹ء کے جنیوا کنونشنز اور ان کے اضافی پروٹوکول اوّل (Additional Protocol I) کے مقاصد اور احکام میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:
International Committee of the Red Cross (ICRC), *What is International Humanitarian Law?* (Advisory Service on International Humanitarian Law, July 2004); and Geneva Conventions of 12 August 1949; Additional Protocol I (1977), especially arts 35, 48 and 51.

[2] Jean Pictet, *Development and Principles of International Humanitarian Law* (Martinus Nijhoff 1985), p. 6.

[3] عالمی تہذیبوں اور مذاہب میں جنگی قوانین اور اخلاقیات کی بنیادوں کے ایک مختصر جائزے کے لیے ملاحظہ ہو:
Geoffrey Best, *Humanity in Warfare* (London: Weidenfeld and Nicolson, 1980), Chapter 1,

pp.31-74.

[4] ان دو بڑی جنگوں کے بعد پرانے قوانینِ جنگ کو کیسے ترمیم واِصلاح کے عمل سے گذارا گیا، بالخصوص آئی سی آر سی نے اس میں کیا اہم کردار ادا کیا۔ اس بارے میں جامع مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

François Bugnion, "The International Committee of the Red Cross and the Development of International Humanitarian Law," *Chicago Journal of International Law*: Vol. 5: No. 1 (2004), Article 14.

[5] عام مشاہدہ یہ ہے آئی ایچ ایل کے اطلاق سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں یا، دوسرے لفظوں میں، اس قانون کامیابیوں (success stories) مکمل اہتمام کے ساتھ عالمی منظرنامے پر نمایاں نہیں کی جاتی۔ کہ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ IHL کی کامیابی اکثر "غیر مرئی (invisible) "ہوتی ہے؛ یعنی جب کوئی حملہ نہیں ہوتا، کسی قیدی کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جاتا، یا کسی ہسپتال کو بچا لیا جاتا ہے، تو یہ عام طور پر خبر نہیں بنتی۔ اس کے باوجود بھی اس موضوع پر بعض لکھنے والوں نے اپنی کتابوں اور مقالات میں کیس اسٹڈیز کو بنیاد بنا کر اس پہلو کو بھی اجگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلا ایک اہم کتاب ملاحظہ ہو:

Marco Sassòli Antoine A. Bouvier, and Anne Quintin, *How Does Law Protect in War: Cases, Documents and Teaching Materials on Contemporary Practice in International Humanitarian Law* (Geneva: ICRC, 2012).

اس کتاب کو ویب سائٹ پر بھی پڑھنے کی سولت مہیا کی گئی ہے۔ یونیکوڈ ورژن کے لیے ملاحظہ ہو:

https://casebook.icrc.org /(last accessed, 4 July, 2026).

[6] Jean-Marie Henckaerts and Louise Doswald-Beck, *Customary International Humanitarian Law*, Vol. I:

Rules (Cambridge University Press 2005), Rules 1, 6, and 14-24.

[7] Ibid., Rules 11-13.

[8] Ibid., Rules 70 and 71.

[9] Ibid., Rules 87–105.

[10] Ibid., Rules 28–30.

[11] Ibid., Rules 25-27.

[12] Ibid., Rules 109–111.

[13] Ibid., Rules 112–116.

[14] Ibid., Rules 117–125 (Especially Rules 117 and 123).

[15] Ibid., Rule 93.

[16] Ibid., Rule 129.

[17] Ibid., Rules 55–56.

[18] Ibid., Rules 135–137.

[19] ملاحظہ ہو: Theodor Meron, *The Humanization of International Law* (Leiden: Martinus Nijhoff Publishers, 2006), p. 95.

[20] رپورٹ ۲۰۲۳ء کے مطابق، ادارے نے دنیا کے مختلف حصوں میں ۸۸۵ حراستی و نظر بندی مراکز کا دورہ کیا، جہاں تقریباً ۸ لاکھ ۳۷ ہزار افراد زیرِ حراست تھے۔ ان دوروں کے دوران ۲۲،۶۲۴ قیدیوں کے حالات کا جائزہ لیا گیا۔ اسی عرصے میں لاپتہ افراد کے اہلِ خانہ کی جانب سے چالیس ہزار نئے تلاشی (Tracing) کے درخواستیں موصول ہوئیں، جبکہ ۱۵،۱۰۴ افراد کے بارے میں ان کے اہلِ خانہ کو ان کے لاپتہ افراد سے متعلق، کہ وہ کہاں ہیں اور زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں، معلومات فراہم کی گئیں۔ مزید برآں، آئی سی آر سی کی کوششوں سے ۸۱۶ افراد، جن میں ۲۷ بچے بھی شامل تھے، اپنے خاندانوں سے دوبارہ مل سکے۔ ملاحظہ ہو: International Committee of the Red Cross, *ICRC Annual Report 2023.* یہ رپورٹ دو جلدوں پر مشتمل ہے، دونوں جلدیں اور پوری رپورٹ کا ایک مختصر جائزہ اس لنک پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

https://www.icrc.org/en/report/icrc-annual-report-2023?utm_source=chatgpt.com (last accessed: 5 July, 2026).

[21] اس کی ایک عمدہ مثال EWIPA Political Declaration کی سال ۲۰۲۲ رپورٹ ہے جس میں اسی سے زائد ریاستوں نے ایک سیاسی اعلامیے کی توثیق کی کہ گنجان آباد علاقوں میں دھماکہ خیز ہتھیاروں کے استعمال سے پیدا ہونے والے انسانی نتائج کے تناظر میں شہری آبادی کے تحفظ کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔ اس اعلامیے کا عنوان تھا:

"Protection of Civilians from the Humanitarian Consequences Arising from the Use of Explosive Weapons in Populated Areas, 2022."

اس اعلامیے کی بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی روشنی میں تفصیلی جائزہ کے لیے دیکھیے:

Simon Bagshaw, "The 2022 Political Declaration on the Use of Explosive Weapons in Populated Areas: A tool for protecting the environment in armed conflict?," *International Review of the Red Cross* (2023), 105 (924), 1293–1312.

[22] مسلح کارروائیوں میں بچوں کے استعمال سے متعلق سلامتی کونسل کی متعدد رپورٹیں آئی ہیں جن کے مطابق متعدد ریاستوں نے بچوں کی رہائی اور مزید بھرتی نہ کرنے کا عہد کیا، اور متعدد بچوں کو غیر مسلح کیا گیا اور بحالی کے پروگراموں میں شامل کیا گیا۔ مثلاً ملاحظہ ہو:

UN Secretary-General, Children and Armed Conflict Reports2020–2017) at: https://www.securitycouncilreport.org/un-documents/children-and-armed-conflict/ (last accessed: 5 July, 2026).

اسی طرح جنیوا کال کی کاوشوں کی وجہ سے متعدد غیر ریاستی مسلح گروہوں نے ایک دستاویز پر دستخط کیے ہیں جس میں انہوں نے بچوں کی بھرتی نہ کرنے؛ بچوں کو رہا کرنے؛ اور ان کے تحفظ کو یقینی بنانے کا عہد کیا۔ یہ دستاویز اگرچہ باقاعدہ ایک معاہدہ نہیں ہے اس لیے یہ محض ایک انسانی بنیادوں پر مبنی طریقۂ کار کے طور پر کام کرتا ہے، جس کا مقصد دنیا بھر میں غیر ریاستی مسلح گروہوں کو بین الاقوامی انسانی اصولوں کی پاسداری کا پابند بنانا اور ان کے احتساب کو فروغ دینا ہے۔ دیکھیے:

Geneva Call, *Deed of Commitment for the Protection of Children from the Effects of Armed Conflict.*

[23] International Committee of the Red Cross, *Anti-Personnel Mine Ban Convention*; International Campaign to Ban Landmines, *Landmine Monitor 2024*; United Nations Office for Disarmament Affairs, *Anti-Personnel Mine Ban Convention.*

[24] Matthew Bamber-Zryd, *ICRC engagement with armed groups in 2025,* at: https://blogs.icrc.org/law-and-policy/2025/10/30/icrc-engagement-with-armed-groups-in-2025/#_ftn1 (last visited 24 June, 2026).

[25] آئی سی آر سی کے اندازے کے مطابق ۲۰۴ ملین افراد ایسے علاقوں میں رہتے ہیں جو مسلح گروہوں کے زیرِ کنٹرول ہیں یا جہاں ان گروہوں اور دیگر فریقوں کے درمیان کنٹرول کے لیے کشمکش جاری ہے۔ سنہ ۲۰۱۵ میں انسانی ہمدردی کے نقطۂ نظر سے تشویش کا باعث بننے والے مسلح گروہوں کی تعداد ۳۸۰ سے زیادہ تھی۔ ملاحظہ ہو:

Matthew Bamber-Zryd, *ICRC engagement with armed groups in 2025.*

[26] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

International Committee of the Red Cross (ICRC), *ICRC Engagement with Non-State Armed Groups: Why, How, for What Purpose, and Other Salient Issues* (Geneva: ICRC, March 2021), available on: https://international-review.icrc.org/sites/default/files/reviews-pdf/2022-01/icrc-engagement-with-nsags-why-how-for-what-purpose-icrc-position-paper-915.pdf (last visited 24 June, 2026), p. 1091.

[27] سنہ ۲۰۲۰ء میں، اپنی داخلی ضروریات کے لیے اور خالصتاً عملی (Operational) مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے، آئی سی آر سی نے دنیا بھر میں ۶۱۴ ایسے مسلح گروہوں کی نشاندہی کی جو انسانیت اور انسانی ہمدردی کے حوالے سے تشویش کا باعث تھے۔ اس مجموعی تعداد میں سے ۲۹۶ (یعنی تقریباً نصف تعداد) مسلح گروہ افریقہ میں موجود

تھے، جب کہ ۱۳۲ گروہ مشرقِ وسطیٰ میں پائے جاتے تھے۔

آئی سی آر سی کا ان میں سے ۴۶۵ مسلح گروہوں کے ساتھ رابطہ تھا، جو کل تعداد کا تقریباً ۷۵ فیصد بنتا ہے۔ دنیا میں کوئی اور تنظیم اتنے زیادہ مسلح گروہوں کے ساتھ رابطہ اور تعامل نہیں رکھتی۔ مسلح گروہوں کی تعداد اور ان کے ساتھ روابط کی وسعت، دونوں اعتبار سے آئی سی آر سی دنیا کی تمام دیگر انسانی ہمدردی کی تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ مسلح گروہوں کے ساتھ سرگرمِ عمل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ICRC, *ICRC Engagement with Non-State Armed Groups,* March 2021, p. 1088.

بعض دیگر ماٰخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۲۴ غیر ریاستی مسلح گروہوں کی تعداد ۴۵۰ تک آئی تھی، جو ۲۰۲۵ مزید کم ہو کر ۳۸۰ تک آئی تھی۔ ۲۰۲۵ میں مسلح گروہوں کی تعداد ۲۰۲۴ میں ۴۵۰ سے زائد کے مقابلے میں کم ہو کر ۳۸۰ سے کچھ زیادہ رہ گئی۔ تاہم، یہ کمی بنیادی طور پر طریقۂ کار میں کی گئی بہتریوں، آئی سی آر سی کی نسبتاً محدود عملی صلاحیت، اور بعض اہم تناظرات میں چند مسلح گروہوں کے انضمام کا نتیجہ ہے، نہ کہ مسلح تنازعات میں کسی بنیادی یا نمایاں کمی کا مظہر۔ سب سے اہم پیش رفت یہ ہے کہ غیر ریاستی مسلح گروہ—جو مسلح تنازعات کے فریق ہوتے ہیں اور بین الاقوامی انسانی قانون کے پابند ہیں—اب زیرِ نگرانی تمام گروہوں کا ۳۶ فیصد بنتے ہیں، جو اس سروے کی تاریخ میں سب سے زیادہ تناسب ہے۔ ۲۰۲۴ میں یہ تناسب ۲۹ فیصد تھا۔ اس اضافے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئی سی آر سی نے اپنی ادارہ جاتی حکمتِ عملی کے تحت ان گروہوں پر زیادہ توجہ مرکوز کی ہے جن کے اقدامات کے انسانی اثرات سب سے زیادہ ہیں۔ ملاحظہ ہو:

Matthew Bamber-Zryd, *ICRC engagement with armed groups in 2025,* at: https://blogs.icrc.org/law-and-policy/2025/10/30/icrc-engagement-with-armed-groups-in-2025/#_ftn1 (last visited 24 June, 2026).

[28] چند مثالوں کے طور پر، ۲۰۱۴ سے ۲۰۱۷ کے درمیان آئی سی آر سی نے شام میں بعض غیر ریاستی مسلح گروہوں کے لیے بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی آگاہی اور تربیتی نشستوں کا ایک سلسلہ منعقد کیا۔ اسی نوعیت کی نشستیں ۲۰۱۹ اور ۲۰۲۰ میں افریقہ، ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے دیگر ممالک میں موجود غیر ریاستی مسلح گروہوں کے ساتھ بھی منعقد کی گئیں۔ دیکھیے: ICRC, *ICRC Engagement with Non-State Armed Groups,* March 2021, p. 1091.

[29] اس عالمی اقدام کے مقاصد، طریقہ کار اور پیش رفتوں کے حوالے سے ملاحظہ ہو:

https://www.icrc.org/en/news-release/global-initiative-galvanise-political-commitment-ihl-uphold-humanity-war(last visited 24 June, 2026).

[30] ہارورڈ کے ماہرِ سیاسیات اور امنِ عالم کے محقق اسٹیون پنکر (Steven Pinker) اپنی کتاب *The Better Angels of Our Nature* میں واضح کرتے ہیں کہ میڈیا تشدد کو غیر متناسب طور پر اُبھارتا ہے کیونکہ یہ ناظرین کی توجہ فوری طور پر حاصل کرتا ہے، جبکہ بہتری کی خبریں "بے رنگ" سمجھی جاتی ہیں۔ دیکھیے:

Steven Pinker, *The Better Angels of Our Nature: Why Violence Has Declined* (New York: Penguin Publishing Group, 2012).

[31] *ICRC, Annual Report 2022.*

[32] جرمن فلسفی یورگن ہیبرماس (Jürgen Habermas) کی اصطلاح میں یہ "غیر موجود واقعات" ہمیں نظر نہیں آتے۔

[33] Peter Maurer, "Interview with Peter Maurer," *International Review of the Red Cross* (2017), 99 (3), 875–884, at 882.

[34] Louis Henkin, *How Nations Behave* (New York: Published for the Council on Foreign Relations by Columbia University Press, 1979), p. 35.